اقوام متحدہ کے حقوق انسانی کا عالمگیر اعلامیہ کے دفعہ ۱۶ کا اسلامی نقطہ نظر سے جائزہ

THE UN UNIVERSAL DECLARATION OF HUMAN RIGHTS: AN ISLAMIC PERSPECTIVE

ڈاکٹر قاری واحد بخش*

DOI: 10.6084/m9.figshare.4517696
Link: https://dx.doi.org/10.6084/m9.figshare.4517696.v1

ABSTRACT:

According to the United Nation's (UN) universal declaration of human rights, men and women of full age can marry, without force, and formulate a family with no consideration towards race, nationality and religion of the partners, as highlighted in the article 16. In doing so, they are entitled to equal rights with regards to marriage and its dissolution, if required. This and other relevant statements indicate that they can't marry before the age of maturity. This also indicates that both male and female have equal rights while marrying. It means that as the male is free to choose or marry a female spouse, so is the female. The declaration also points out that both male and female have the equal rights to dissolve the marriage. In total, there are thirty articles in this declaration which deal with a variety of areas including education, marriage, status of people in society and other aspects. However, the focus of our research is the article 16. In this paper, we have accordingly analyzed this article in the light of Islamic teachings and its potential implications on Muslim societies across the world.

KEYWORDS: UN Declaration of Human Rights, Human Rights in Islam, Universal Human Rights. United Nation

کلیدی الفاظ: حقوق انسانی کا عالمگیر اعلامیہ، اسلام میں انسانی حقوق، عالمی انسانی حقوق، اقوام متحدہ

دور حاضر میں "انسانی حقوق" سب سے زیادہ زیر بحث آنے والا موضوع ہے۔ ۱۰ دسمبر کو پوری دنیا میں انسانی حقوق کا دن منایا جاتا ہے کیونکہ ۱۹۴۸ء میں اسی روز یعنی ۱۰ دسمبر کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے انسانی حقوق کا عالمی

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ و تحقیق، گومل یونیورسٹی، ڈیرہ اسماعیل خان　　برقی پتا: qari.wahid21@gmail.com

منشور ۳۰ نکاتی اعلامیہ منظور کیا تھا۔ اسی دن سے اقوام متحدہ اس منشور کو عالمی معیار قرار دیکر تمام اقوام و ممالک پر اس کے احترام اور پابندی کیلئے مسلسل زور دے رہا ہے۔ چنانچہ جنرل اسمبلی کی طرف سے اس منشور کے اعلامیہ میں کہا گیا ہے کہ ”جنرل اسمبلی اعلان کرتی ہے کہ انسانی حقوق کا یہ عالمی منشور تمام اقوام کے واسطے حصول مقصد کا مشترک معیار ہو گا تا کہ ہر فرد اور معاشرے کا یہ ادارہ اس منشور کو

ہمیشہ پیش نظر رکھتے ہوئے تعلیم و تبلیغ کے ذریعے ان حقوق اور آزادیوں کا احترام پیدا کرے“۔[۱]

بلاشبہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی طرف سے منظور کیا جانے والا انسانی حقوق کا یہ عالمگیر اعلامیہ تاریخی اہمیت کا حامل ہے اور مغرب کو اس پر بجا طور پر فخر حاصل ہے کہ اس نے صدیوں کی طویل و صبر آزما اور جانگسل جدوجہد کے بعد انسانی حقوق کے تحفظ و بحالی کا یہ مقام حاصل کیا ہے۔ لیکن اب مغرب کا اس عالمی منشور کے بارے میں یہ طرز عمل کہ اس کو ایک مضبوط فکری ہتھیار کے طور پر استعمال کر رہا ہے جس کے ذریعے وہ تیسری دنیا خصوصاً مسلم ممالک پر حملہ آور ہے۔ اور اس فکری ہتھیار کے ذریعے مسلم ممالک کے فلسفہ حیات اور اسلامی سولائزیشن کو مغلوب کرنے اور مغربی فلسفہ حیات و مغربی سولائزیشن کو عام کرنے میں کوشاں ہیں۔ تمام اقوام عالم کے افراد کے لئے قابل ستائش نہیں ہے۔ کیونکہ عالمی منشور کی تیاری اور اجراء میں یہ سوچ کار فرما ہے کہ مذہب کا تعلق صرف عقائد و عبادات اور اخلاقیات سے ہے جس میں ہر انسان آزاد ہے کہ وہ عقائد، عبادات اور اخلاقیات میں جو طرز فکر اختیار کرے اس کی مرضی ہے یہ اس کا ذاتی معاملہ سمجھا جائے۔ کوئی ریاست یا اتھارٹی اس سے کسی قسم کا تعرض نہ کرے۔ البتہ انسانی زندگی کے اجتماعی معاملات مثلاً سیاسی نظام، معاشی و معاشرتی نظام کے ساتھ مذہب کا کوئی سروکار نہیں ہے۔ ان امور میں ہر قوم اپنی مرضی کے مطابق اکثریتی رجحانات کے مطابق کوئی بھی نظام اختیار کر سکتی ہے اور وہ نظام مذہبی اثرات سے آزاد ہو گا۔ اسے اصطلاحاً سیکولر ازم سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس سیکولر نظام کو قبول کرنے کا تقاضہ ہر ملک و قوم سے کیا جا رہا ہے۔

اہل مغرب انسانی حقوق کے بارے میں عالمی منشور کو مسلمہ معیار قرار دیتا ہے اس لئے وہ الگ رویے کی حامل اور مختلف نقطہ نظر رکھنے والی تیسری دنیا خصوصاً اسلامی دنیا کو انسانی حقوق کی خلاف ورزی کا مرتکب قرار دے رہے ہیں۔ اور اس مہم میں اہل یورپ کو عالمی ذرائع ابلاغ کے ساتھ ساتھ اسلامی ممالک میں ان کی ہم خیال حکومتوں اور مکتبہ فکر لابیوں کا بھی بھرپور تعاون حاصل ہے۔

بہت سے مفکرین کی رائے ہے کہ اقوام متحدہ کے منشور میں اسلام کے عطا کردہ انسانی حقوق کو سمو دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ بنیادی طور پر یہ اچھا منشور نظر آتا ہے لیکن اس کے اصول و کلیات پر غور و فکر کرنے سے یہ اندازہ ہوتا

ہے کہ اہل مغرب نے اپنے خاص تاریخی و ثقافتی پس منظر، غیر معتدل مزاج و نفسیات کے زیر اثر ان کلیات کی جو تشریح کی ہے وہ بعض تشریحات اسلام کی تشریحات سے مختلف اور اسلام کی بنیادی تعلیمات سے متصادم ہیں۔ کیونکہ اسلامی تعلیمات کی رو سے مذہب کا تعلق صرف عقائد و عبادات و اخلاقیات تک محدود نہیں ہے بلکہ فرد کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر محیط ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اس کی تعلیمات کا تعلق انسان کے عقائد وعبادات و اخلاقیات سے بھی ہے اور سیاسی، معاشی و معاشرتی نظام سے بھی، مکمل ضابطہ حیات ہونے کی وجہ سے کسی قسم کی کمی و زیادتی کی اس میں گنجائش نہیں ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق اسلامی ضابطہ حیات بنی نوع انسان کے لئے اللہ تعالیٰ (خالق مخلوقات)کی طرف سے متعین ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ [۲]

ترجمہ: ”بے شک دین اللہ کے ہاں اسلام ہی ہے“۔

قرآن پاک کی اس آیت کریمہ پر غور و فکر سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہی ایک حقیقی اور صحیح طریق زندگی ہے۔یعنی بنی نوع انسان کے لئے صرف ایک ہی ضابطہ حیات ہے جو اسلام ہے۔ اس کو قبول کرنا، اس کے مطابق انفرادی و اجتماعی زندگی بسر کرنا ہر انسان پر لازم ہے اور اس کے علاوہ کوئی دستور العمل قبول نہیں کیا جائے گا۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ [۳]

”اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی اور دین (طریق زندگی) تلاش کریں تو وہ ہر گز اس سے قبول نہیں کیا جائے گا“۔

چونکہ قرآنی تعلیمات بنی نوع انسان کو پکار پکار کر واضح طور پر بتلا رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانیت کے لئے ایک ہی ضابطہ حیات کا تعین کیا ہے۔ مذکورہ اسلامی تعلیمات کی بناء پر حقوق انسانی کا عالمی منشور اور اس کی تعبیرات مکمل طور پر اسلامی دنیا کے افراد کے لئے من و عن قابل قبول نہیں۔ کیونکہ ان میں سے بعض دفعات پر عمل کرنا اسلامی تعلیمات سے روگردانی کا موجب ہو گا۔ مثلاً عالمی منشور کی دفعہ نمبر ۱۶، جو اس آرٹیکل میں زیر بحث ہے۔

اقوام متحدہ کے عالمی منشور حقوق انسانی کی دفعہ نمبر ۱۶:

> Men and Women of Full age, without any limitation due to race, nationality or religion, have the right to marry and to found a family. They are entitled to equal rights, as to marriage, during marriage and at its dissolution.[۴]

"پوری عمر کے مردوں اور عورتوں کو، نسل، قومیت یا مذہب کی کسی تجدید کے بغیر باہم شادی کرنے اور خاندان کی بنیاد رکھنے کا حق حاصل ہے۔ شادی، دوران شادی اور اس کی تنسیخ کے سلسلہ میں وہ مساوی حقوق رکھتے ہیں"۔

درجہ بالا دفعہ میں اسلامی تعلیمات کی رو سے چند باتیں غور طلب ہیں۔

"Full age" پوری عمر کے مرد و عورت سے عمر کا کونسا عرصہ مراد ہے؟ مبہم ہے غالباً بلوغت مراد ہے۔

مرد و عورت کا مذہب کی کسی تجدید کے بغیر نکاح۔

شادی کے سلسلے میں مرد و عورت کا مساوی حق۔

شادی کی تنسیخ کے سلسلہ میں مرد و عورت کے مساوی حقوق۔

"Full age" پوری عمر میں مرد و عورت کو شادی کا حق

عالمی منشور کی یہ دفعہ مرد و عورت کو شادی کا حق اس وقت دیتا ہے جب وہ پوری عمر غالباً بلوغت کو پہنچ جائے۔ لیکن اسلامی تعلیمات کی رو سے شادی کے لئے عمر کی کوئی قید نہیں۔ والدین اپنے بچوں کا نکاح نابالغی میں بھی کر سکتے ہیں۔ اور بالغ ہو جانے کے بعد بھی۔ اگرچہ خلوت کی پوری قابلیت بلوغ سے ہوتی ہے لیکن بلوغت سے قبل نکاح بھی اسلامی تعلیمات کی رو سے جائز ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَالّٰٓئِیۡ یَئِسۡنَ مِنَ الۡمَحِیۡضِ مِنۡ نِّسَآئِکُمۡ اِنِ ارۡتَبۡتُمۡ فَعِدَّتُہُنَّ ثَلٰثَۃُ اَشۡہُرٍ ۙ وَّالّٰٓئِیۡ لَمۡ یَحِضۡنَ [۵]

"اور جو عورتیں حیض سے ناامید ہو گئیں تمہاری عورتوں میں سے اگر تم کو شبہ رہ گیا تو ان کی عدت تین مہینے ہے۔ اور ایسے ہی جن کو ابھی تک (کم عمری) کی وجہ سے حیض نہیں آیا"۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ عدت تو طلاق کے بعد ہے اور طلاق متضمن ہے نکاح کے صحیح ہونے پر۔ پس ان کم عمر لڑکیوں کا نکاح جن کو کم عمری کی وجہ سے حیض آیا نہیں ان کا نکاح ازروئے قرآن پاک جائز ہے۔

ایک اور جگہ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا فِی الۡیَتٰمٰی فَانۡکِحُوۡا مَا طَابَ لَکُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ مَثۡنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ [۶]

"اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیموں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو نکاح کرو۔ جو عورتیں تمہیں پسند ہوں، دو، دو، تین، تین اور چار، چار۔ "

مولانا محمد شفیعؒ نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے کہ اس آیت میں یتامیٰ سے مراد یتیم لڑکیاں ہیں اور اصطلاح شریعت میں یتیم اسی لڑکی یا لڑکے کو کہا جاتا ہے جو ابھی بالغ نہ ہو۔ تو اس لئے اس آیت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ

یتیم لڑکی کے ولی کو یہ بھی اختیار ہے کہ بحالت صغر سنی یعنی بلوغ سے پہلے ہی اس کا نکاح کر دے۔ البتہ اس میں لڑکی کی مصلحت اور آئندہ کیلئے فلاح و بہبود پیش نظر رہے۔[۷]

اگرچہ اس آیت کریمہ میں یتیم لڑکیوں کے ازدواجی حقوق کی پوری نگہداشت اور حفاظت کا حکم دیا گیا ہے لیکن اس آیت کریمہ سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اگر نابالغ لڑکی یا لڑکے کے اولیاء کم عمری میں اس کا نکاح کر دیں تو یہ نکاح جائز ہے۔

خود حضور ﷺ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے نکاح کم عمری میں کیا تھا۔ اور امام بخاریؒ نے اسی حضرت عائشہ صدیقہؓ کا حضور ﷺ کے ساتھ کم عمری میں نکاح کی بناء پر کم عمری کے نکاح کے جواز پر ترجمۃ الباب " تزویج الصغار من الکبار " قائم کیا ہے۔[۸]

ایک اور مقام پر صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ سے جب میرا نکاح ہوا تو میری عمر چھ سال کی تھی۔(۹)

البدایۃ والنھایۃ میں نکاح کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر کی بابت لکھا ہے کہ حضرت خدیجہؓ تین سال ہجرت سے قبل وفات پا گئیں۔ آپ ﷺ نے تقریباً دو سال یا زیادہ دیر کے بعد حضرت عائشہؓ سے نکاح کیا۔ اس وقت ان کی عمر چھ سال تھی اور نو سال کی عمر میں رخصتی عمل میں آئی۔ چھ سال کی عمر میں نکاح ہونا اور نو سال کی عمر میں رخصتی کا عمل میں آنا ایک غیر متنازع واقعہ ہے۔[۱۰]

امام بخاریؒ نے کسی شخص کا اپنے چھوٹے بچوں کے نکاح پر جواز کا جو باب قائم کیا ہے اس کے لئے قرآن کی آیت جو پہلے مذکور ہو چکا ہے۔ وَالّٰٓـِٔیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ آیت کو دلیل بنایا ہے۔[۱۱]

قرآن پاک اور احادیث کی بنیاد پر فتاویٰ اور فقہ کی کتب میں نابالغوں کے نکاح کے جواز کی تصریح کی گئی ہے۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ " اگر نابالغہ لڑکی کے باپ نے کہا کہ میں اپنی فلاں بیٹی کو فلاں کے نابالغ فلاں بیٹے کے نکاح میں دیا اور نابالغ بیٹے کے باپ نے کہا کہ میں نے اپنے بیٹے کے واسطے قبول کیا تو یہ نکاح صحیح ہے۔[۱۲]

اشرف الھدایہ میں ہے۔

ومن امر رجلا بان یزوج ابنتہ الصغیرہ فزوجھا والاب حاضر بشھادۃ رجل واحد سواھا جاز النکاح۔[۱۳]

ترجمہ: " ایک شخص نے کسی کو اپنی چھوٹی بیٹی کے نکاح کا حکم دیا۔ اس شخص نے باپ کے ساتھ ایک گواہ کی موجودگی میں نکاح کرا دیا تو نکاح جائز ہے "۔

نسل، قومیت یا مذہب کی کسی تجدید کے بغیر مرد و عورت کو نکاح کا حق:۔

نسل، قومیت یا مذہب کی کسی تحدید کے بغیر مرد و عورت کو نکاح کے حق سے یہ لازم آتا ہے کہ ایک مسلمان مرد کو ایک مشرکہ عورت سے اور ایک مسلمان عورت کو کافر و مشرک مرد کے ساتھ نکاح کرنے کی مکمل آزادی ہے۔اس پر کوئی گرفت نہیں ہے۔ حالانکہ قرآن پاک میں حکم خداوندی ہے۔

وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَ لَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَ لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ[۱۴]

ترجمہ: ’’اور نکاح نہ کرو مشرک عورتوں سے جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں اور البتہ ایمان والی، باندی مشرک عورت سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں اچھی لگے اور نکاح نہ کریں (مسلمان عورت) مشرکین (مردوں) سے جب تک وہ ایمان نہ لائیں‘‘۔

مذکورہ آیت کریمہ میں انتہائی وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے کہ مسلمان اور مشرک کے باہمی ازدواجی تعلقات جائز نہیں ہیں۔ کیونکہ مسلمان مردوں کو حکم دیا گیا ہے کہ مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح نہ کریں اور مسلمان عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ مشرک مردوں سے نکاح نہ کریں۔ اگرچہ وہ کافر مرد یا عورت بھلی لگے۔ اور کافروں کے ساتھ نکاح نہ کرنے کا سبب بھی قرآن پاک نے بتادیا ہے کہ اس کے ساتھ نکاح کیوں منع کیا جارہا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

اُولٰئِکَ یَدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ ۔[۱۵]

’’وہ (مشرک) بلاتے ہیں دوزخ کی طرف‘‘۔

مولانا محمد شفیعؒ فرماتے ہیں کہ ’’ازدواجی تعلقات، آپس کی محبت و مودّت اور یگانگت کو چاہتے ہیں، اور بغیر اس کے ان تعلقات کا اصلی مقصد پورا نہیں ہوتا، اور مشرکین کے ساتھ اس قسم کے تعلقات قریبہ محبت و مودّت کا لازمی اثر یہ ہے کہ ان کے دل میں بھی کفر و شرک کی طرف میلان پیدا ہو یا کم از کم کفر و شرک سے نفرت ان کے دلوں سے نکل جائے اور اس کا انجام یہ ہے کہ یہ بھی کفر و شرک میں مبتلا ہو جائیں اور اس کا نتیجہ جہنم ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ یہ لوگ جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں۔‘‘[۱۶]

صلح حدیبیہ کے موقع پر کافروں نے ایک شرط صلح کے لئے یہ بھی رکھ دی کہ اگر مکہ کے کافروں میں سے کوئی مسلمان ہو جائے اور وہ مدینہ والوں یعنی مسلمانوں کے پاس چلا جائے تو مسلمان اسے واپس کر دینگے۔ چنانچہ زبانی طور پر شرط ہونے کے بعد کہ ابھی معاہدہ تحریر نہیں ہوا تھا ابو جندلؓ، سعیدہؓ بنت الحارث اور ام کلثومؓ جو مسلمان ہو چکے تھے مکہ سے بھاگ کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ مذکورہ دونوں مسلمان عورتوں کے شوہر کافر

تھے۔ انہوں نے شرط کے مطابق ابو جندلؓ کی طرح ان کی بھی واپسی کا مطالبہ کر دیا۔ بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے تو اس شرط کو عموم کے ساتھ قبول فرمایا تھا جس میں عورتیں بھی شامل تھیں کہ آیات کریمہ نازل ہوئیں کہ

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ۭ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ۭ [۱۷]

''اے ایمان والو! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں وطن چھوڑ کر آئیں تو ان کو جانچ لو۔ اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے، پھر اگر تم جانو کہ وہ ایمان پر ہیں تو ان کافروں کی طرف مت پھیرو۔ نہ یہ عورتیں ان (کافروں) کیلئے حلال ہیں اور نہ وہ (کافر مرد) مسلمان عورتوں کے لئے حلال ہیں''۔

کسی مسلمان مرد کے نکاح میں کافرہ عورت ہو تو ان کو بھی چھوڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ [۱۸]: ''اور کافر عورتوں کے ناموس اپنے قبضہ میں نہ رکھو''۔

یعنی اگر کسی مسلمان کے نکاح میں کوئی کافرہ عورت ہو تو ان کو اپنے نکاح میں نہ رکھو۔ کیونکہ زمانہ جاہلیت میں کافروں کے درمیان جو نکاح ہو چکے تھے اور ان سے جو لوگ مسلمان ہو چکے اور اب تک مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان مناکحت کی اجازت تھی وہ ختم کر دی گئی۔ اب کسی مسلمان کا نکاح مشرک عورت سے جائز نہیں اور جو پہلے ہو چکے ہیں وہ بھی ختم ہو چکے۔

اب اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد کسی مشرک عورت کو اپنے نکاح میں روکنا حلال نہیں۔

جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو جن صحابہ کرامؓ کے نکاح میں کوئی مشرک عورت تھی اس کو چھوڑ دیا۔ حضرت عمرؓ کے نکاح میں دو مشرک عورتیں اس وقت تک تھیں۔ حضرت عمرؓ نے آیت کے نازل ہونے کے بعد دونوں کو چھوڑ دیا۔ [۱۹]

حضرت شاہ ولی اللہ نے حجتہ اللہ البالغہ میں تحریر فرمایا ہے کہ مسلمانوں کی کافروں سے صحبت اور مابین ان کے میل جول اور غمخواری کا جاری ہونا خاص کر نکاح کے باب میں ان کی دین کی مفسد ہے اور اس کے قلب میں کفر کی طرف حرکت پیدا ہونے کا سبب ہے خواہ وہ اس کو معلوم ہو یا نہ ہو۔ [۲۰]

قرآن و سنت کی تصریحات کی بناء پر تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کوئی مسلمان مرد کسی مشرک عورت سے اور کوئی مسلمان عورت مشرک مرد کے ساتھ ازدواجی تعلقات استوار نہیں کر سکتے اور اسی طرح کوئی مسلمان عورت کسی یہودی یا نصرانی سے بھی شادی نہیں کر سکتی۔ اور اگر کسی مسلمان عورت نے مشرک مرد کے ساتھ اور

مسلمان عورت نے مشرک، یہودی، نصرانی مرد کے ساتھ شادی و نکاح کے نام پر ازدواجی تعلقات استوار کر لئے تو یہ تعلقات جائز نہیں ہونگے بلکہ زنا یعنی بدکاری شمار ہو گی۔

شادی کے سلسلے میں مرد و عورت کا مساوی حق:

اقوام متحدہ کے عالمی منشور کی رو سے ہر مرد کو اجازت ہے کہ وہ اپنی مرضی سے بغیر ولی کی اجازت کے کسی بھی عورت کے ساتھ اس کی رضامندی سے نکاح کر لے اس پر کوئی گرفت یا الزام نہیں ہے یہ ان کا بنیادی حق ہے۔ اور اگر ولی کسی عورت کے ساتھ نکاح سے روکتا ہے تو یہ اس کے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی کا مرتکب ہو رہا ہے۔ اسی طرح کوئی بھی عورت بغیر ولی کی اجازت کے کسی بھی مرد کے ساتھ اس کی مرضی سے نکاح کر سکتی ہے اور ولی اس کی مرضی پر کوئی روک ٹوک نہیں لگا سکتا۔ مرد کی طرح مکمل طور پر آزاد ہے یہ اس کا بنیادی حق ہے اور ان کا یہ حق سلب نہیں کیا جا سکتا ہے۔

جہاں تک مرد کا تعلق ہے اسلامی تعلیمات کی رو سے مرد کے بارے میں فقہاء کا کوئی اختلاف نہیں کہ وہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر سکتا ہے اگرچہ اخلاقی طور پر اولیاء کے مشورہ کے ساتھ لڑکی کا انتخاب ہونا چاہئے لیکن کسی مرد نے اولیاء کی مرضی کے خلاف کسی لڑکی سے اس لڑکی کی مرضی سے نکاح شریعت کے مروجہ شرائط کے ساتھ کر لیا وہ اس کو اجازت ہے اور ولی سے اختلاف کی صورت میں لڑکے کا نکاح صحیح تصور ہو گا۔ لیکن عورت کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ آیا وہ ولی کی اجازت کے بغیر اپنی مرضی سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ دونوں کا مسلک یہ ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر عورت خود نکاح نہیں کر سکتی۔ اور اگر ولی کی جازت کے بغیر عورت از خود نکاح کرتی ہے تو یہ نکاح سرے سے نکاح بھی نہیں ہے یہ نکاح باطل ہے۔ وہ نبی کریم ﷺ کے درج ذیل ارشاد مبارک سے استدلال کرتے ہیں۔

اَیُّمَا اِمْرَأۃ نَکَحَتْ بِغَیْرِ اذن ولیھا فنکاحھا باطل باطل باطل۔[۲۱]

" جو عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو اس کا نکاح باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے"۔

امام ابو حنیفہؒ کے ہاں بھی اگر عورت بغیر ولی کی اجازت کے نکاح کرتی ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ نکاح کفو میں ہو اگر غیر کفو میں نکاح کرتی ہے اور ولی کو اس پر اعتراض ہو تو بغیر ولی کی اجازت کے نکاح درست نہیں ہے اور ولی کو اس نکاح کے فسخ کرنے کا حق حاصل ہے۔

اب کفو یعنی کفاءت سے کیا مراد ہے کفاءت کے معنی برابری کے ہیں۔ فقہاء کے یہاں کفاءت ایک خاص اصطلاح ہے جس کا مفہوم ہے۔

مساوات الرجل للمرأة اوکون المرأة ادنیٰ۔ [۲۲]

"مرد عورت کے برابر کا ہو یا اس سے فائق ہو"۔

اور مقصود یہ ہے کہ جس سے رشتہ کیا جا رہا ہو ایسا نہ ہو کہ خود لڑکی یا اس کے اقرباء اور اولیاء کے لئے اس کے ساتھ رشتہ باعث ننگ ہو کہ یہ بات امکانی طور پر مستقبل میں تعلقات کی ناپائیداری اور ناسازی کا مؤجب بن سکتی ہے۔

کفو کے بارے میں فقہاء حضور ﷺ کی درج ذیل حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

عن علی ابن طالب ان النبی ﷺ قال لہ یا علی ثلث لا تؤخرھا الصلوٰۃ اذا انت والجنازۃ اذا حضرت والایم اذا وجدت لھا کفو۔ [۲۳]

"حضرت علی بن ابی طالب سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے کہا اے علی تین چیزوں میں تاخیر نہ کرو۔ نماز میں جب اس کا وقت ہو جائے۔ جنازہ میں جب حاضر ہو جائے اور بے نکاحی عورت جب اس کا کفو (جوڑ کا خاوند) مل جائے"۔

اشرف الہدایہ میں ہے کہ کفاءت کے لئے عقلی دلیل یہ ہے کہ جو نکاح کے مصالح ہیں وہ اس وقت پورے طور پر حاصل ہو سکتے ہیں جب نکاح ہمسروں میں منعقد ہو۔ اس لئے مصالح نکاح کو حاصل کرنے کیلئے کفو کا ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا نکاح میں کفاءت کا اعتبار ضروری ہے۔ البتہ عورت کی جانب میں کفاءت معتبر نہیں۔ اگر مرد بہتر ہو اور عورت کم تر ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس لئے کہ شوہر فراش بنانے والا ہے لہٰذا فراش کا ادنیٰ اور کمتر ہونا مرد کو غیظی میں مبتلا نہیں کرے گا۔ اور اگر عورت نے از خود بغیر کفو کے نکاح کر لیا تو اولیاء اپنے اوپر ضرر و عار کو دفع کرنے کیلئے میاں بیوی میں تفریق کرانے کا حق رکھتے ہیں۔ [۲۴]

کنز الدقائق میں ہے کہ

من نکحت غیر کفوٍ فرّق الولی۔ [۲۵]

ترجمہ: "جس عورت نے غیر کفو میں نکاح کر لیا تو ولی اس کی تفریق کر دے"۔

چونکہ فقہاء نکاح کے لئے کفاءت کو ضروری قرار دے رہے ہیں اس لئے اگر کسی عورت نے ولی کی اجازت کے بغیر کفو میں خود ہی شادی کر لی تو اگرچہ اس کا یہ عمل مستحسن نہیں ہے لیکن نکاح صحیح ہو گا۔ اور اگر غیر کفو میں کر لیا اور ولی نے قبول کر لیا تو اس پر اعتراض نہیں کیا تب بھی اس کے ازدواجی تعلقات جائز اور برقرار رہیں گے۔ لیکن اگر ولی کو اعتراض ہے تو ولی عدالت کے ذریعے اس میں تفریق کرا سکتا ہے اور اس نکاح کو منسوخ کر سکتا ہے۔

تنسیخ نکاح کے سلسلے میں مرد و عورت کا مساوی حق:

اقوام متحدہ کا منشور مرد و عورت کو یہ مساوی حق دیتا ہے کہ اگر میاں و بیوی کے درمیان خدانخواستہ اگر کسی سبب سے اختلافات آ جائیں اور آپس میں نبھاہ نہ ہو سکے تو مرد و عورت دونوں کو مساوی طور پر یہ حق حاصل ہے کہ وہ معاہدہ نکاح کو منسوخ کر دے۔

اسلامی تعلیمات کی رو سے تنسیخ نکاح کی ایک صورت طلاق ہے۔ اس بارے میں اسلامی تعلیمات میں واضح ترجیحات قائم کی گئی ہیں کہ طلاق کے ذریعے میاں بیوی کی علیحدگی کا حق مرد کو حاصل ہے شوہر بیوی کو طلاق دے سکتا ہے جبکہ عورت (بیوی) اپنے شوہر کو طلاق نہیں دے سکتی۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جہاں بھی طلاق کا ذکر کیا ہے اس کی نسبت مرد کی طرف کی ہے۔ کبھی بھی طلاق کی نسبت عورت کی طرف نہیں کی گئی ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ[۲۶]

"اگر تم عورتوں کو طلاق دے دو"۔

تو قرآن و حدیث میں جہاں طلاق کے بارے میں آیا ہے کہ اگر مرد عورت کو طلاق دے دے تو پھر مختلف قسم کے احکامات کا ذکر ہے۔ کسی ایک جگہ میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ اگر عورت اپنے شوہر کو طلاق دے دے تو درجہ ذیل احکامات لاگو ہونگے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت طلاق کے ذریعے معاہدہ نکاح ختم نہیں کر سکتی۔ ہاں اگر کسی وجہ سے اپنے خاوند سے آزاد ہونا چاہے تو اسلامی تعلیمات کی رو سے اس کے لئے خلع کا طریقہ کار موجود ہے

خلع کے جواز کے بارے میں دلائل قرآن و سنت میں موجود ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے کہ

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ[۲۷]

ترجمہ: پھر اگر تم لوگ اس بات سے ڈرو کہ وہ دونوں (میاں بیوی) اللہ تعالیٰ کے حدود پر قائم نہ رہ سکیں گے تو کچھ گناہ نہیں دونوں پر اس میں، کہ عورت بدلہ دیکر چھوٹ جاوے"۔

اگر میاں بیوی میں نبھاہ نہ ہو سکے اور عورت مال کے بدلے میں رہائی چاہتی ہو لیکن خاوند قبول نہ کرے اور خاوند ظلم و زیادتی بھی کر رہا ہو تو عورت کو حق حاصل ہے کہ ظلم و ستم سہنے سے بچنے کیلئے حاکم شرعی کی عدالت میں اپنا معاملہ پیش کر کے اور شکایات کا ثبوت دیکر نکاح فسخ کرا دے۔ جیسا کہ یوسف لدھیانوی صاحب نے تصریح کی ہے کہ " اگر شوہر بیوی کے حقوق ادا نہیں کر رہا تو عورت کو چاہئے کہ شرفا کے ذریعہ اس کو خلع دینے پر آمادہ کرے۔ اگر شوہر شرفاء کے کہنے کے باوجود بھی خلع پر راضی نہ ہو تو عورت عدالت سے رجوع کرے اور شوہر کی زیادتی شہادت سے ثابت کرے۔ عدالت تحقیقات کے بعد اگر اس نتیجہ پر پہنچے کہ عورت کا دعویٰ صحیح ہے تو عدالت شوہر

کو حکم دے کہ یا تو اس کو حسن و خوبی کے ساتھ آباد کرے یا طلاق دے۔ ورنہ ہم نکاح فسخ ہونے کا فیصلہ کر دیں گے۔ اگر عدالت کے کہنے پر بھی وہ نہ تو آباد کرے اور نہ طلاق دے تو عدالت خود نکاح فسخ کر دے۔[۲۸]

خلاصۃ البحث :

اقوام متحدہ کے عالمی منشور حقوق انسانی کی دفعہ ۱۶ کے اسلامی تعلیمات کے جائزہ سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اس دفعہ کے شادی کے سلسلے میں جو تقاضے ہیں اسلامی تعلیمات سے مطابقت نہیں رکھتے۔ شادی کے سلسلے میں Full age یعنی بلوغت جو قانونی لحاظ سے ۱۸ سال مانی جاتی ہے۔ یہ تحدید عمر اسلامی تعلیمات کے مطابق نہیں لگائی جاسکتی کیونکہ صغر سنی میں نکاح کی اجازت قرآن و سنت سے ثابت ہے اور بعض اوقات تو والدین اپنی اولاد کی نو عمری میں شادی کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ خصوصاً جب والدین کے وسائل محدود ہوں، بچوں کی تعداد زیادہ ہو اور بدامنی اور دہشتگردی کی وجہ سے ایک بڑی تعداد میں بچے بچیاں یتیم ہو رہے ہوں۔ مزید یہ کہ ماں باپ یا دونوں کسی مہلک مرض میں مبتلا ہوں تو ان حالات میں اگر نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح والدین اور برادری کے صائب الرائے لوگوں کے مشورہ سے ہو جائے تو یہ ان کا شرعی حق ہے اور اس پر عمر کی تحدید ان کا شرعی حق تلف ہونے کے مترادف ہو گا۔ جہاں تک اقوام متحدہ کے عالمی منشور کی رو سے ہر مرد و عورت کو مذہب کی کسی تحدید کے بغیر آپس میں شادی کرنے کے حق کا تعلق ہے اسلامی تعلیمات کی رو سے اسے صحیح قرار نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ اسلامی تعلیمات کے جائزے سے ثابت ہو چکا ہے کہ کوئی مسلمان مرد کسی مشرکہ عورت کے ساتھ اور کوئی مسلمان عورت کسی بھی کافر مرد کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتی۔ مزید برآں نکاح کے سلسلے میں مرد و عورت کے یکساں حقوق کے سلسلے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ نکاح کے بارے میں مرد و عورت کی حیثیت جدا جدا ہے۔ الغرض مذکورہ دفعہ کے تقاضے مکمل طور پر اسلامی تعلیمات سے متصادم ہیں۔ اوران کو اقوام متحدہ کے مسلم ممالک کے لئے من و عن قبول کرنا اسلامی تعلیمات سے روگردانی کے مترادف ہے۔

مراجع وحواشی:

[1] ثناء اللہ غوری، انسانی حقوق، مکتبہ فریدی کراچی، ۲۰۰۵ء، ص ۴۸۱

[2] القرآن، سورۃ آل عمران: ۱۹

[3] ایضاً: ۸۵

[4] Zafarullah Khan, Human Rights, Pakistan Law House Karachi, ۲۰۰۳, P. ۲۴۶

[5] القرآن، سورۃ الطلاق: ۴

[6] القرآن، سورۃ النساء: ۳

[7] محمد شفیع مفتی، معارف القرآن، ج ۲، ادارۃ المعارف کراچی، ۱۹۷۹، ص ۲۸۶

[8] محمد بن اسمٰعیل، صحیح البخاری، ج ۲، کتاب النکاح، باب تزویج الصغار من الکبائر۔

[9] ظہور الباری، تفہیم البخاری، دارالاشاعت کراچی، ۱۹۸۵ء، ج ۳، ص ۴۸

[10] ابن کثیر اسماعیل بن کثیر، تاریخ ابن کثیر، نفیس اکیڈمی، کراچی، ج ۲، ص ۱۹۲، ۱۹۳

[11] صحیح البخاری، ج ۲، کتاب النکاح، باب نکاح الرجل ولدہ الصغار۔

[12] مولانا شیخ وجماعت العلماء، فتاویٰ ہندیہ المعروف فتاویٰ عالمگیری، اردو ترجمہ سید امیر علی، مکتبہ رحمانیہ لاہور، س ن، ج ۲، ص ۱۳۱

[13] مولانا جمیل احمد سکروڈھوی، اشرف الہدایہ شرح اردو الہدایہ، مکتبہ دارالاشاعت کراچی، ۲۰۰۳ء، ج ۲، ص ۲۵۔

[14] القرآن، سورۃ البقرۃ: ۲۲۱

[15] ایضاً

[16] معارف القرآن، ج ۱، ص ۵۴۰

[17] القرآن، سورۃ الممتحنہ: ۱۰

[18] القرآن، سورہ الممتحنہ: ۱۰

[19] معارف القرآن، ج ۸، ص ۴۱۵

[20] شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، ج ۲، ترجمہ خلیل احمد اسرائیلی، اسلامی اکادمی ناشران کتب لاہور، ۱۹۸۴، ص ۳۱۷

[21] محمد تقی عثمانی، درس ترمذی، ج ۳، مکتبہ دارالعلوم کراچی، ۲۰۰۵ء، ص ۳۷۵

[22] مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، جدید فقہی مسائل، ج ۲، پروگریسو بکس لاہور، س ن، ص ۵۷

[23] محمد بن عیسیٰ، جامع ترمذی، کتاب الجنائز، باب تعجیل فی الجنائز۔

[24] مولانا جمیل احمد سکروڈھوی، اشرف الہدایہ، ج ۴، مکتبہ دارالاشاعت کراچی، ۲۰۰۳ء، ص ۷۶، ۷۷

[25] عبداللہ ابوالبرکات، کنزالدقائق، ج ۲، میاں حاجی محمد عبدالخالق، فضل مالک تاجران کتب پشاور، س ن، ص ۱۳

[26] القرآن، سورۃ البقرہ: ۲۳۱

[27] ایضاً: ۲۲۹

[28] لدھیانوی، مولانا محمد یوسف، آپ کے مسائل اور ان کا حل، مکتبہ لدھیانوی، کراچی، س ن، ج ۵، ص ۳۹.